**لقيط كی تعریف اور احکام شریعت كی تناظر میں**

**Laqeet, Definition And It’s Islamic Laws**

ڈاكٹرمفتی محمد التماس خان[[1]](#footnote-1)\*

شمس الدین[[2]](#footnote-2)\*\*

***Abstract:***

***Islam has shown great interest in himan beings in all aspects and given them a status of decent and honour . “Laqeet” The foundling, is a religious term used for an unknown child who has been thrown or kept by an unknown person due to the fear of defamation of Zina or due to extreme poverty. Such child is a respectable person of that society. This articale aims to define as well as to describe the safety, race future- spendings, the religion’s opinion of picking it, the limits on taking it,the legal and civil conditions that fall upon the picker of the foundling, the rights of the picker of taking the foundling. It will also discuss, how the name and parentage of such children will be shown in documents.***

***Keywords:***

***Laqeet, Foundling, Unknown child, Defamation, Extreme, Respectable, Race, picker, parentage.***

 اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے ،زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں اس کی سنہری ہدایات تا قیامت راہ نمائی کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔حقوق العباد کے حوالے سے بھی اسلام ایک منفرد نظام رکھتا ہے ،جس میں معاشرے کے مختلف افراد کے حقوق کا تعین کیا گیا ہے ۔ دیگر افراد کی طرح لقيط بھی معاشرے کا ایک فرد ہے ۔ لقيط اس زندہ نو مولودبچے کو کہتے ہیں جس کو اس کے اہل نے تنگ دستی یا زنا کی تہمت سے بچنے کے لیے پھینک دیا ہو ۔شریعت اسلامیہ میں دیگر انسانوں کی طرح اس کے حقوق کی رعایت کی گئی ہے ۔اسلامی تعلیمات میں اگر جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے تو انسان تو بطریق اولیٰ اس کا حق دار ہے اس لیے اس کا ضائع کرنے والا گناہ گار اور حفاظت کرنے والا ثواب کا مستحق ہے ۔

لغت کے اعتبار سے لَقَطَ کا لفظ ابواب ثلاثی مجرد کےباب نصر سے اور التقاط کا لفظ ابواب ثلاثی مزید کے باب افتعال سے آتا ہے ۔ اسی سے لقطہ اور لقيط کے الفاظ مأ خوذ ہیں لقطہ وہ چیز جو کسی سے گر گئی ہو اور لقیظ وہ بچہ جو غربت و افلاس یا تہمت زنا سے بچنے کے لیے کسی نے پھینکا ہو۔ خلیل بن أحمد فراہیدی لکھتے ہیں کہ:لقط کے معنیٰ ہیں زمین سے اٹھانا۔ گری پڑی چیز کو لقطہ کہتے ہیں اسی طرح وہ بچہ جو پھینکا گیا ہو[[3]](#endnote-1)۔صحاح میں ہے کہ: “لقط الشئ والتقطه: أخذه من الارض بلا تعب. يقال: " لكلِّ ساقطة لاقِطَةٌ "، أي لكلِّ ما نَدَر من الكلام من يسمعها ويُذيعهاَ...واللَقيطُ: المنبوذ يلتقط". [[4]](#endnote-2) کہ لقط زمین سے بلاتکلیف کسی چیز کےاٹھانے کو کہتے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ہر گری پڑی چیز کے لیے كوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ یعنی ہر نادر کلام کے لیے کوئی سننےوالا اور اس کی اشاعت کرنے والا مل جاتا ہے ۔اور لقيط وہ بچہ ہے جو پھینک کر اٹھایا گیا ہو ۔

یہ لفظ اچانک دیکھی ہوئی چیز کو ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر اٹھانے کو کہتے ہیں ۔ابن فارس کہتے ہیں کہ : "يَدُلُّ عَلَى أَخْذِ شَيْءٍ مِنَ الْأَرْضِ قَدْ رَأَيْتَهُ بَغْتَةً وَلَمْ تُرِدْهُ، وَقَدْ يَكُونُ عَنْ إِرَادَةٍ وَقَصْدٍأَيْضًا...وَاللُّقْطَةُ: مَا الْتَقَطَهُ الْإِنْسَانُ مِنْ مَالٍ ضَائِعٍ. وَاللَّقِيطُ: الْمَنْبُوذُ يُلْقَطُ"[[5]](#endnote-3) یہ لفظ زمین سے اس چیز کے اٹھانے کو کہتے ہیں جو آپ اچانک دیکھیں یہ اٹھانا کبھی غیر ارادی طور پر اور کبھی قصد و ارادہ سے ہوتا ہے لقطہ اس ضائع مال کو کہا جاتا ہے جس کو انسان اٹھاتا ہے اور لقيط وہ پھینکا ہوا بچہ جو اٹھایا جائے۔

یہ لفظ قرآن مجید میں بھی اسی لغوی معنیٰ میں مندرجہ ذیل دو مقامات پر استعمال ہوا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :{قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ}[[6]](#endnote-4) ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف ؑ کو مت مار ڈالو اور اس کو کسی گمنام کنویں میں ڈال دو کہ اٹھا لے جائے اس کو کوئی مسافر ،اگر تم کو (یہ کام) کرناہے۔ دوسری جگہ اللہ فرماتے ہیں :{فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ }[[7]](#endnote-5) پھر اٹھا لیا اس کو (موسیٰ) فرعون کے گھر والوں نے کہ ہو ان کا دشمن اور غم میں ڈالنے والا،بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوکنے والے تھے ۔

اصطلاحی تعرف:

حنفیہ کےہاں لقيط وہ زندہ بچہ ہے جس کو اس کے اہل نے تنگ دستی یا تہمت زنا کے خوف سے پھینکا ہو[[8]](#endnote-6)۔ یعنی جو بنی آدم کا بیٹا ہو اگر جانور کا ہو تو وہ لقطہ ہے لقيط نہیں ۔لیکن اس تعریف زندہ کی قید اتفاقی ہوگی احترازی نہیں کیوں کہ اگر مردہ ہو پھر بھی وہ لقيط ہوتا ہے ،دار اسلام کی وجہ سے اس پر اسلام کا حکم لگایا جائے گا ۔غسل دے کر اس پر نماز جنازہ پڑھ جائے گی ۔کبھی ان دو اسباب کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی اس کو ظلم اور اورقتل کے خوف سے پھبنک دے جیسے موسیٰؑ ۔

 مالکیہ کے ہاں وہ چھوٹا انسان کا بچہ جس کا والد یا والدین معلوم نہ ہو اورنہ اس کے غلام ہونے کا علم ہو[[9]](#endnote-7)۔اس تعریف میں وہ بچہ بھی داخل ہے جس کی والدہ معلوم ہو لیکن والد معلوم نہ ہو یعنی ولد الزنا ہو تو وہ بھی لقيط ہے نیزاس کی غلامی کا حال نا معلوم ہو ،اگر اس کا غلام ہونا معلوم ہو جائے تو وہ لقطہ شمار ہو گا لقيط نہیں ۔

شوافع کے ہاں لقيط وہ چھوٹا بچہ ہے جو راستہ ، یا مسجد یا اس طرح کسی اور جگہ رکھا گیا ہو اگرچہ وہ ممیز ہو لیکن سن بلوغ کو نہ پہنچا ہو ،کیوں کہ اس کو ابھی پرورش کی حاجت ہے[[10]](#endnote-8) ۔حنابلہ کے ہاں لقيط وہ چھوٹا بچہ جو سن تمییز تک گم ہو گیا ہو یا پھینکا گیا ہو ۔جس کا نسب اور غلام ہو نا معلوم نہ ہو اور ایک قول میں سن بلوغ تک ہے اور یہی اکثر حنابلہ کا قول ہے [[11]](#endnote-9)۔

 اس مسئلہ کے لیے اصل سند وہ واقعہ ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیش آیا ۔کہ بنو سلیم کے ایک آدمی نے ایک نو مولود پھینکے ہوئےبچے کو اٹھایا اور اس کو حضرت عمرؓ کے پاس لے کر آیا،حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اس بچے کو تم نے کیوں اٹھایا؟اس نے کہا کہ میں اس کو ضائع ہونے والا پایا اس لیے اٹھایا۔تو عریفہ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ نیک آدمی ہے تو فرمایا کہ کیا ایسا ہی ہے؟تو کہا کہ ہاں۔تو حضرت عمرؓ نے (اٹھانے والے سے) کہا کہ اس کو لے جاؤ،یہ آزاد ہے اور اس کا ولاء تیرے لیے ہے اور اس کا خرچ ہمارے ذمے ہے [[12]](#endnote-10)۰۔

ان تعریفات سے یہ معلوم ہوا کہ لقيط وہ انسانی بچا ہے جو چھوٹا ہو ،ضائع ہونے والا ہو یا گمشدہ ہو یا کسی نے تہمت زنا سے بچنے کے لیے یا غربت کے ڈر سے پھینکا ہو ۔چاہے اس کا صرف والد نا معلوم ہو یا دونوں والدین نا معلوم ہو ،سن تمییز کو پہنچا ہو یا نہیں پہنچا ہو البتہ بالغ نہ ہو ۔اس طرح غلام نہ ہواور کسی حیوان کا بچہ نہ ہو کہ یہ دونوں لقطہ میں شمار ہوتے ہیں ۔ اس زندہ نومولود بچے کا اٹھانا عام حالات میں مستحب ہے ،لیکن اگر اس کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو ،جیسا کہ پانی میں ہو یا درندہ کے سامنے ہو تو اس کا اٹھانا واجب ہے ۔اس کے علاوہ وہ لقيط آزاد ہو گا اور اس کا مالک اور ولی بادشاہِ وقت ہوگا ، یہاں تک کہ اگر اٹھانے والا کسی مرد یاعورت سے اس کی شادی کرادے تو جائز نہ ہو گا نیز کوئی اس اٹھانے والے سے اس بچے کو نہیں لے سکتا ،نفع اور نقصان کی ذمہ داری بیت المال پر ہوگی ۔اس انسانی بچے کے ساتھ چند خصوصی احکام تعلق رکھتے ہیں جو یہ ہیں :

لقيط کے ساتھ چند مسائل کا خصوصی تعلق ہے ۔

۱۔ضروری ہے کہ اس کو اٹھایا تاکہ ضائع نہ ہو جائے۔

۲۔لقيط حتی الوسع مسلمان سمجھا جائے گا ۔

۳۔ دار الاسلام میں پایا جانے والا لقيط آزاد ہوگا ۔

۴۔ لقيط کے ساتھ جو مال پڑا ہو وہ اسی کا ہوگا ۔

۵۔ لقيط کا پانے والا اس کی تربیت اور اس پر خرچ کرنے کا زیادہ حق دار ہے اگر وہ انکار کرے اور معاملہ قاضی تک لے جائے۔تو قاضی بیت المال سے اس پر خرچ کرے اگر قاضی اس پر قادر نہیں تو کسی اور مالدار آدمی کے حوالہ کرے۔

۶۔اگر لقيط کسی کے ساتھ موالات کا معاہدہ کرے تو یہ جائز ہے اور اس کا ساتھی بیت المال کی نسبت اس کی میراث کا زیادہ حق دار ہے ۔

۷۔ اگر لقيط کوئی جنایت کرے تو اس کا تاوان بیت المال پر ہوگا ۔

۸۔ اگر اٹھانے ولا اس کی نسب کا دعویٰ کرے تو لقيط کا نسب اس سے بغیر گواہوں کے ثابت ہوگا ۔

۹۔ اگر عورت اس کا دعویٰ کرے تو بغیر“ بینہ ” اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی اگر ایک عادلہ عورت اس کی گواہی دیدے تو یہ بھی کافی ہے ۔

۱۰۔اگراٹھانے والا دعویٰ کرے کہ یہ لقيط اس کا غلام ہے تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی ہاں اگر اس کو معلوم نہ ہو کہ یہ لقيط ہےتو اس کا قول معتبر ہوگا ۔

۱۱۔اگر کافر و مسلم دونوں نے اس کو اٹھایا اوراس کی تربیت میں جھگڑنے لگے تو کافر کی بنسبت مسلمان اس کا زیادہ حق دار ہے اور اسی طرح اگر ایک غلام اور ایک آزاد اس کو پالے تو آزاد آدمی زیادہ حق دار ہے[[13]](#endnote-11)۔

۱۔حکمِ التقاط :

 زندہ نومولود بچے کی اگر ہلاکت کا خوف ہے تو اس وقت اس کا اٹھانا فرض عین ہے مثلاًٍ:وہ کسی درندہ کے سامنے پڑا ہے یا پانی میں ڈوب رہا ہے یا بے آب و گیاہ زمین پر پڑا ہے تو ان حالات میں اس کا اٹھانا فرض عین ہے ،اگر کوئی اس کو نہ اٹھائے تو بڑا گناہگار ہوگا کیوں کہ انسانی جان کو ضائع ہونے سے بچانے پر تمام ادیان کا اتفاق ہے ،چاہے وہ ادیان سماویہ ہوں یا غیر سماویہ ۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ومن أحياها فكأنما أحيا الناس جميعا[[14]](#endnote-12)۔یعنی جس نے اس کو زندہ کیا ( مرنے سے بچایا )گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو زندہ کیا ۔ اس طرح حدیث میں آیا «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيرَنَا» جوہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کا احترام نہ کرے وہ ہم سے نہیں [[15]](#endnote-13)۔

 جس طرح کسی کی زندگی بچانے کا بہت بڑا ثواب ہے اس طرح وہ شخص جو اس بے گناہ چھوٹے بچے کو ضائع کرے کہ وہ بھوک پیاس سے مر جائے یا کوئی درندہ اس کو کھائے وہ بڑا گناہ گار ہوگا ۔تمام فقہاء کا اس حکم پر اتفاق ہے ۔

جب ہلاکت کا خوف نہ ہو تو حنفیہ کے ہاں مستحب ہے، در مختار میں ہے: (التقاطه فرض كفاية إن غلب على ظنه هلاكه لو لم يرفعه) ولو لم يعلم به غيره ففرض عين، ومثله رؤية أعمى يقع في بئر.(وإلا فمندوب) لما فيه من الشفقة والاحياء[[16]](#endnote-14)۔ اس کا اٹھانا فرض کفایہ ہے اس صورت میں جب اٹھانے والے کا ظن غالب یہ ہو کہ اگر وہ اس کو نہ اٹھائے تو ہلاک ہوگا ،لیکن اگر اس بچے کا کسی اور کو علم نہیں تو اس صورت میں فرض عین ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے اندھے کو دیکھنا کہ وہ کنویں میں گر رہا ہے تو اس صورت میں اس کا بچانا فرض عین ہو جاتا ہے ۔اگر ایسی صورت نہیں جس میں ہلاکت کا خوف ہو تو مستحب تو پھر بھی کہ اس میں شفقت اور زندگی بچانا ہے ۔

استحباب پر دلیل حضرت علیؓ کی یہ روایت ہے جو بدائع الصنائع میں ہے :“انَّ الْتِقَاطَهُ أَمْرٌ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ لِمَا رُوِيَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى سَيِّدَنَا عَلِيًّا - رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ - بِلَقِيطٍ فَقَالَ: هُوَ حُرٌّ وَلَأَنْ أَكُونَ وُلِّيتُ مِنْ أَمْرِهِ مِثْلَ الَّذِي وُلِّيتَ أَنْتَ كَانَ أَحَبَّ إلَيَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا، عَدَّ جُمْلَةً مِنْ أَعْمَالِ الْخَيْرِ فَقَدْ رَغَّبَ فِي الِالْتِقَاطِ وَبَالَغَ فِي التَّرْغِيبِ فِيهِ حَيْثُ فَضَّلَهُ عَلَى جُمْلَةٍ مِنْ أَعْمَالِ الْخَيْرِ عَلَى الْمُبَالَغَةِ فِي النَّدْبِ إلَيْهِ”[[17]](#endnote-15)۔

کہ اس بچے کا اٹھانا امر مندوب ہے اس روایت کی بنیاد پر جس میں اس آدمی کا ذکر ہے کہ وہ حضرت علیؓ کے پاس ایک لقيط لے کر آیا ۔تو آپ ؓ نے فرمایا کہ یہ آزاد ہے اورگر اس کے امور پرورش میرے ذمے ڈال دیے جاتے اس طرح جس طرح تیرے ذمے لگائے گئے ہیں تو یہ بات مجھے اتنی اتنی چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتی ،آپ ؓ نے جملہ اعمال خیر شمار کئے،پھر التقاط کی ترغیب دی اور اس کی ترغیب میں مبالغہ کیا کہ اس کے استحباب کو تمام اعمال خیر پر تاکیدی انداز سے فوقیت دے دی۔

جب ہلاکت کا خوف نہ ہو تو اس صورت میں امام شافعی ،امام مالک اور امام أحمد رحمہم اللہ کے نزدیک فرض کفایہ ہے ،ابن الہمام لکھتے ہیں :وقَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَبَاقِي الْأَئِمَّةِ الثَّلَاثَةِ فَرْضُ كِفَايَةٍ، إلَّا إذَا خَافَ هَلَاكَهُ فَفَرْضُ عَيْنٍ يَحْتَاجُ إلَى دَلِيلِ الْوُجُوبِ قَبْلَ الْخَوْفِ[[18]](#endnote-16)۔امام شافعی اور باقی ائمۂ ثلاثہ کے ہاں فرض کفایہ ہیں ، مگر جب ہلاکت کا خوف ہو تو فرض عین ہیں لیکن یہ خوف سے پہلے قول وجوب(فرض) دلیل کا محتاج ہے۔

۲۔التقاط لقيط پر گواہ بنانا:

فقہاء کا نو مولود بچے کے اٹھانے پر اشہاد (گواہ بنانے) کے حوالے سے اتفاق ہے لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ اشہاد مستحب ہے یا فرض ،جمہور کی رائے میں یہ اشہاد مستحب ہے یہ احناف ،موالک اور حنابلہ کا قول ہے اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے [[19]](#endnote-17)۔جمہور کے ہاں یہ گواہی مستحب اس لیے ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وقت گزرنے پر ملتقط اس بچے کی ابنیت یا غلام ہونے کا دعویٰ کرے [[20]](#endnote-18)۔

اور امام شافعیؓ کا ایک قول وجوب کا ہے ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ گواہ بنانا اس عمل پر اس لیے ضروری ہے کہ ملتقط کو اس بچے کی غلامی کا دعوی ٰ کرنے سے روک دیا جائے ۔اورلقطہ کا علم تو تعریف سے حاصل ہو جاتا ہے جب کہ لقيط میں تعریف نہیں ہوتی تو اشہاد واجب ہے [[21]](#endnote-19)۔

ان دونوں اقوال میں قول وجوب را جح معلوم ہوتی ہے ،کیوں کہ انسان میں اصل حریت ہے اور اس حریت عدم رقیت کو ثابت کرنے کے لیے اشہاد(گواہ بنانا) ایک ضروری اقدام ہے ۔اس کے علاوہ معاشرے میں جو برائی،خیانت،فسق اور امانت کو ضائع کرنے کا جو ماحول بنا ہوا ہے اس کے پیش نظر بھی اشہاد ضروری ہے ۔سرکاری دستاویزات اور اسٹامپ پیپرز جن پر سماجی اور سرکاری اداروں کا اعتماد ہوتاہے وہ بھی بلا گواہ ان کو ئی اہمیت نہیں دیتے ،چاہے ان میں انتہائی قیمتی بات کا اندراج ہو ۔ان کے علاوہ لقيط کے کوائف کا بھی شہادت کے بغیر علم نہیں ہوتا۔

قاضی کو اطلاع دینا :

ملتقط کے لیے ضروری ہے کہ وہ لقيط کے بارے میں حکومت کے نامزد کردہ علاقائی قاضی (جج)کو بھی

اطلاع دے۔جس میں اپنے تفصیلی کوائف کے علاوہ ، لقيط کے مقام،ممکنہ تاریخ پیدائش،اٹھانے کی تاریخ اور گواہوں کے نام تفصیل سے بیان کرے پھر اگر وہ اس بچے کوقاضی کے حوالہ کرنا چاہے تو قاضی بغیر طلب شہادت کے اس کی تصدیق نہیں کرسکتا ،کیوں کہ یہ ایک طرح سےبیت المال پر اخراجات کا دعویٰ ہے ۔فتاویٰ ہندیہ میں ہے : وَمَتَى أَقَامَ الْبَيِّنَةَ، فَالْقَاضِي يَقْبَلُ بَيِّنَتَهُ مِنْ غَيْرِ خَصْمٍ حَاضِرٍ، وَإِذَا قَبِلَ الْقَاضِي بَيِّنَتَهُ إنْ شَاءَ قَبَضَ اللَّقِيطَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَقْبِضْهُ، وَلَكِنَّهُ يُوَلِّيهِ مَنْ تَوَلَّى، وَيَقُولُ: قَدْ الْتَزَمْتَ حِفْظَهُ، فَأَنْتَ وَمَا الْتَزَمْتَ[[22]](#endnote-20)۔یعنی جب وہ گواہ پیش کرے تو قاضی اس کو قبول کرے گا اگر چہ یہاں دوسرا خصم موجود نہیں (پھر بھی گواہی قبول کی جائے گی)اور جب قاضی یہ گواہی قبول کرے تو پھر اسے اختیار ہے چاہے تو بچہ اس سے لیلے اور چاہے تو نہ لے اور اسی کو واپس کرے گا اور قاضی یہ کہہ دے کہ تونے اس کی حفاظت کا التزام کیا ہے اب تو جانے اور تیرا التزام ۔

لیکن یہ تفصیل اس صورت میں ہے جب قاضی کو یہ علم نہ ہو کہ ملتقط اس کی حفاظت اور اس کےاو پر اٹھنےوالے اخراجات سے قاصر ہے۔اگر معلوم ہوجائے کہ ملتقط اس کی حفاظت نہیں کرسکتا یا اس کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتا تو قاضی اس کو ایسےآدمی یا ادارے کے حوالے کرے جو اس کی حفاظت کر سکے ۔ اس کے بعد اگر پہلا آدمی آئے اور بچہ لینا چاہے تو قاضی کو اختیار ہے:فَالْقَاضِي بِالْخِيَارِ إنْ شَاءَ رَدَّهُ، وَإِنْ شَاءَ لَمْ يَرُدَّهُ بِخِلَافِ مَا لَوْ الْتَقَطَ لَقِيطًا، فَجَاءَ آخَرُ، وَانْتَزَعَهُ مِنْ يَدِهِ، ثُمَّ اخْتَصَمَا، فَالْقَاضِي يَدْفَعُهُ إلَى الْأَوَّلِ[[23]](#endnote-21)۔تو قاضی کو اختیار ہے چاہے تو پہلے کو واپس کردے ،چاہے تو واپس نہ کرے ،بر خلاف اس صورت کے کہ پہلے ایک آدمی نے لقيط اٹھایا پھر دوسرا اس سے لینا چاہتا ہے تو قاضی پہلے آدمی کو بچہ دے گا ۔یعنی پہلی صورت میں قاضی کو اختیار ہے اور دوسری صورت میں پہلا آدمی حق دار ہے ۔

حکم نسب لقيط:

انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے باپ، داد،باپ کے داد (اصول) کی طرف اپنی نسبت کرےاور یہ جائز نہیں کہ وہ غیر اب کی طرف نسبت کرے،مثلاً:اس کا باب ایک قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے اور وہ سوچے کہ باپ کے قبیلہ میں دوسرے قبیلہ نسبت زیادہ عیوب ہیں تو وہ دوسرے قبیلہ کی طرف اپنی نسبت کرے جو حسب ونسب میں اس سے اعلیٰ ہو تاکہ وہ اپنے آپ سے اپنے قبیلہ کا عیب زائل کرے۔اللہ تعالیٰ نے نسب کو خاندان کے لئے ایک نعمت شمار کیا اور اسی وجہ سے خاندان اور رشتہ داروں کے درمیان الفت اور محبت ہوتی ہے ۔

اللہ تعالی ٰ کا ارشاد ہے : {وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا}[[24]](#endnote-22)۔اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا پھر اس کو دودھیال ننھیال اور سسرال والا بنا دیا اور تمہارا پروردگار ہر طرح کی قدرت رکھتا ہے ۔اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں نسب کا بطور نعمت ذکر فرمایا ہے ۔ تو اس نعمت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے کہ کوئی اس کو تبدیل کرے اس طرح شریعت مطہرہ کا یہ بھی حکم ہے کہ نسب کے اختلاط سے بچا جائے ،چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :{ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا آبَاءَهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا}[[25]](#endnote-23)۔ منہ بولے بیٹوں کو اس کے اصلی باپوں کےناموں سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے ۔اگر تم کو ان کے باپوں کے نام معلوم نہیں تو دین میں وہ تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور جو بات غلطی سے ہو گئی ہو اس کا تم پر کچھ گناہ نہیں ،لیکن جو قصد دلی سے کرو اس پر مواخذہ ہو گا اور اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے ۔

 یہ آیت زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کو صحابہ کرام ؓ زید بن محمد ﷺ پکارتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ احقاق حق اور اظہار عدالت کا حکم دیا ۔ صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے : أَنَّ زيدًا بْنَ حَارِثَةَ مَوْلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا كُنَّا نَدْعُوهُ إِلَّا زَيْدَ بْنَ مُحَمَّدٍ، حَتَّى نَزَلَ الْقُرْآنُ: {ادْعُوهُمْ لآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ}[[26]](#endnote-24)۔کہ زید ؓبن حارثہ جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے اس کو ہم زید بن محمد ﷺ کے نام سے پکارتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت( مذکورہ )نازل ہوئی ۔

اسلام کے ابتدائی ایام میں کسی اجنبی کو منہ بولا بیٹا(متبنیٰ) بنانا جائز تھا ،پھر اسی آیت سے وہ حکم منسوخ کردیا گیا ، چنانچہ ابن کثیر لکھتے ہیں : وَقَوْلُهُ: {ادْعُوهُمْ لآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ} : هَذَا أَمْرٌ نَاسِخٌ لِمَا كَانَ فِي ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ مِنْ جَوَازِ ادِّعَاءِ الْأَبْنَاءِ الْأَجَانِبِ، وَهُمُ الْأَدْعِيَاءُ، فَأَمَرَ [اللَّهُ] تَعَالَى بِرَدِّ نِسَبِهِمْ إِلَى آبَائِهِمْ فِي الْحَقِيقَةِ، وَأَنَّ هَذَا هُوَ الْعَدْلُ وَالْقِسْطُ[[27]](#endnote-25)۔کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول{ادْعُوهُمْ لآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ} ناسخ ہے اس حکم کے لیے جس کی رو سے ابتدائے اسلام میں اجنبی کو متبنیٰ بنانا جائز تھا تو اللہ نے حکم دیا کہ حقیقی آباء کی طرف ان کی نسبت کی جائے کہ یہی عدل و انصاف ہے ۔

تو والد کے ساتھ نسب کے ثبوت کے لیے یا تو نکاح صحیح کی ضرورت ہے ۔جس کے بغیر بچہ ثابت النسب

نہیں ہو سکتا ۔ کیوں کہ حدیث شریف ہے ۔«الوَلَدُ لِلْفِرَاشِ، وَلِلْعَاهِرِ الحَجَرُ»[[28]](#endnote-26)۔بچہ صاحب بستر کا ہے یعنی جس سے نکاح صحیح ہوا ہے اور زانی کے لیے پتھر ہے ۔

تو یہ حدیث اس باب میں صریح ہے کہ ثبوت نسب کے لیے نکاح صحیح ضروری ہے ،نیز یہ کہ زانی سے بچے کا نسب ثابت نہیں ہو تا ۔البتہ فقہ كی مشہور كتاب (الہدایہ) كی شرح (اثمارالہدایہ) كے باب النكاح میں بحوالہ ابوداؤد شریف ، باب فی ادعاء ولد زنا،ص ۳۲۸نمبر ۲۳۶۴ ،مذكور ہے كہ زنا سے پیداشدہ اولاد عورت كا ہے كسی مرد كا نہیں لہٰذا لقيط کا نسب بھی کسی سے ثابت نہیں ہوگا ۔

یا نکاح ہو لیکن فاسد ہو،نکاح فاسد کا مطلب یہ ہے کہ نکاح تو ہوا ہے لیکن کسی وجہ سے اس میں فساد آگیا مثلاً: بغیر اعلان اور گواہوں کے نکاح کیا تو اس صورت میں بچہ ثابت النسب ہو گا ۔یا وطی بالشبہ ضروری ہے ۔وطی بالشبہ اس جنسی میلاپ کو کہتے ہیں جو نہ تو نکاح سے ہو اور نہ زنا ہوتا ہے ۔مثلاً: شب زفاف میں مرد کے پاس اسکی بیوی کے نام پر ایک عورت لے کر آئے جو اس نے پہلے دیکھی نہیں تھی اور اس نے بیوی سمجھ کر جماع کرلیا اور اس سے بچہ پیدا ہو جائے تو یہ بچہ بھی ثابت النسب ہو گا اور یہ مرد اس کا باپ ہو گا ۔

لقيط اورسرکاری دستاویزات :

لقيط کے بارے میں ان صورتوں میں سے کوئی صورت بھی موجود نہیں ہوتی ۔لہٰذا لقيط کے سرکاری کاغذات، تعلیمی کوائف اور شناختی کارڈ وغیرہ میں والدیت کے خانے میں راقم کے ہاں کچھ بھی نہیں لکھنا چاہیے ۔ یا لقيط کو احساس کمتری سے بچانے کے لیےاگر لکھنا ہو تو کوئی مخصوص لفظ مثلاً: کوڈ ورڈ لکھا جائے ،لیکن یہ الفاظ کسی کی نسب کی طرف ہر گزمشیر نہ ہو ں ۔لقيط کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ غیر کی طرف اپنی نسبت کرے اور کسی اور کے لیے بھی جائز نہیں کہ اس کو اپنی طرف منسوب کرے ۔ یعنی کسی کو غیر کی طرف منسوب کرنا یا غیر کو اپنی طرف منسوب کرنا یا اپنے آپ کو غیر کی طرف منسوب کرنا تینوں صورتیں ناجائز اور حرام ہے ۔ تو لقيط کے لیے بھی یہ حکم ہے ۔

اس حوالے سے ایک تو قرآن مجید کی آیت ﴿ادْعُوهُمْ لآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ جو پہلے گزری ہے جو حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی،یہ اگرچہ متبنیٰ کے بارے میں ہے لیکن لقيط بھی اس میں داخل ہے کیوں کہ تفسیر میں شان نزول کے ساتھ عموم الفاظ کو بھی دیکھا جاتا ہے ۔اس کے علاوہ متعدد احادیث بھی اس باب میں وارد ہوئی ہیں ،جن میں غیر کی طرف نسبت کرنے سے روکا گیا ہے ، چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث ہے:«لاَ تَرْغَبُوا عَنْ آبَائِكُمْ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ أبِيهِ، فَهُوَ كُفْرٌ»[[29]](#endnote-27)۔ اپنے آباواجداد سے نفرت نہ کرو پس جو اپنے آباواجداد سے نفرت کرے تو یہ کفر ہےاس طرح ایک دوسری حدیث میں ہے: (لَيْسَ مِنْ رَجُلٍ ادَّعَى لِغَيْرِ أَبِيهِ - وَهُوَ يَعْلَمُهُ - إِلَّا كَفَرَ، وَمَنِ ادَّعَى قَوْمًا لَيْسَ لَهُ فِيهِمْ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ)[[30]](#endnote-28)۔یعنی جو آدمی بھی جان بوجھ کر اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسب کا دعویٰ کرے تو کافر ہوگیا اور جو ایسی قوم کا دعویٰ کرے جس میں سے نہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے ۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ غلط نسب منسوب کرنے سے وراثت کے مسائل پر بھی اثر پڑتا ہے ۔عزت و احترام کے مسائل بھی پیدا ہوسکتے ہیں ۔یعنی اس مسئلے کا تعلق صرف ایک فرد منسوب یا منسوب الیہ کے ساتھ نہیں ،بل کہ پورا خاندان اس کی زد میں آتا ہے البتہ اگر کوئی اس لقيط کا دعویٰ کرے کہ وہ میرا بچہ ہے تو یہ بھی سنا جائے گا کیوں کہ اس کی صحت کا امکان بھی موجود ہوتا ہے ۔

تیسری بات یہ ہے کہ لقيط کے والدیت کے خانہ میں بالفرض اگر کسی کو لکھا جائے تو پھر تووہ لقيط نہیں ہو گا ،بل کہ ثابت النسب ہوگا۔اور عام ثابت النسب بچوں کے جو احکام ہوں وہ اس پر بھی نافذ ہوں گے ۔

میراث لقيط:

 لقيط کا اگر کوئی معین وارث اور مالک نہیں تو اس کی میراث بیت المال میں جمع ہوگی کیوں کہ اگر وہ کوئی ایسا جرم کرے جس پر اسے تاوان ادا کرنا پڑے تو یہ بھی بیت المال سے ادا کیا جائے گا ،اس طرح اس کی میراث بھی بیت المال کی ہوگی ۔چنانچہ فتاویٰ ہندیہ میں ہے :"وَلَاؤُهُ لِبَيْتِ الْمَالِ حَتَّى أَنَّهُ إذَا مَاتَ مِنْ غَيْرِ وَارِثٍ وَلَا مَوْلَى لَهُ، فَتَرِكَتُهُ لِبَيْتِ الْمَالِ"[[31]](#endnote-29)۔اس کا ولاء یعنی میراث بیت المال کاہوگا ،اگر وہ مر جائے اور اس کا کوئی وارث و مولیٰ نہیں تو اس کا ترکہ بیت المال کا ہوگا ۔ لیکن اگر قاضی اس کی میراث ملتقط کو دیدے تو یہ بھی جائز ہے در مختار میں ہے :“ولو قرر القاضي ولاءه للملتقط صح ” [[32]](#endnote-30)۔

اس طرح لقيط کا وہ واقعہ جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پیش آیا تھا تو حضرت عمرؓ نے (اٹھانے والے سے) کہا کہ اس کو لے جاؤ،یہ آزاد ہے اور اس کا ولاء تیرے لیے ہے اور اس کا خرچ ہمارے ذمے ہے[[33]](#endnote-31)۔یعنی جس طرح اس بچہ کے احیاء میں بیت المال کا کردار ہے اس طرح ملتقط بھی اس میں برابر کا حصہ دار ہے جس طرح بیت المال اس کے اخراجات کی ذمہ داری اٹھاتا ہے اس طرح ملتقط بھی تبرعا اس کے اخراجات برداشت کرتا ہے تو عقلی طور پر بھی ملتقط اس کے میراث کا حق دار ٹھہرتا ہے ۔

حق تربیت(حضانۃ) لقيط:

معین عمر تک بچے کے تمام دینی اور دنیاوی ضروریات کی تکمیل کو حضانت کہتے ہیں بچے کی تربیت کرنے والی

عورت کو حاضنہ کہا جاتا ہے ۔مثلاً: گھرمیں بچے کی حفاظت کرنا،کھانا کھلانا،بدن کی ،لباس اور پوشاک کی صفائی کرنا،سر میں تیل ڈالنا ،آنکھوں میں سرمہ لگانا،سونے کے لیے جھولے میں رکھنا اور اس کو حرکت دینا اورتکلیف دہ امور سے اس کی حفاظت کرنا وغیرہ۔ اس کے علاوہ اس تربیت میں صحت،عقل اور عقائد کے لحاظ سے تمام ضروری امور کی رعایت داخل ہے ۔

حق تربیت کے کچھ شرائط ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :

۱۔ اسلام:پس مسلمان کی تربیت کا کافر کو حق نہیں ،اللہ تعالیٰ کاارشاد ہے﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ [[34]](#endnote-32)۔

۲ ۔عقل: مجنون،پاگل اور سنگ دل انسان کو بھی لقيط کی پرورش کا حق نہیں ۔

۳۔آزادی: غلام کو بھی حق تربیت حاصل نہیں ،کیوں کہ یہ تربیت ولایت ہے اور غلام اس کا اہل نہیں ۔

۴۔بلوغ: صغیر کو یہ حق تربیت حاصل نہیں ،کیوں کہ یہ اپنی پرورش سے بھی عاجز ہے تو دوسرے کی پرورش کیا کرے گا ۔

۵۔قدرت: لقيط کی خدمت کی قدرت بھی رکھتا ہو ۔پس یہ حق بڑھیا،اندھے،متعدی مرض کا مریض اور غریب کو بھی نہیں دی جا سکتی۔

۶۔عدم فسق: فاسق کو بھی حق حضانت حاصل نہیں کیوں کہ اس سے خطرہ ہے کہ وہ فسق کے طریقے پر بچے کی پرورش کرے گا ۔

۷۔امانت،عفت: جو آدمی امانت اور عفت کے لحاظ سے قابل اعتماد نہیں وہ حضانت کا اہل نہیں ۔

۸۔اقامت: کہ پرورش کرنے والا مسافر نہ ہو بل کہ مقیم ہو ۔

یہ شرائط مذکورہ اگر ملتقط میں موجود نہ ہوں تو قاضی بچہ اس سے لے کر کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے ۔

حواشی

1. \* لیكچرار،شعبۂ اسلامیات، پشاور یونیورسٹی۔ [↑](#footnote-ref-1)
2. \*\* پی ایچ ڈی سکالر شعبۂ علوم اسلامیہ و عربی گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان [↑](#footnote-ref-2)
3. الفراهيدی ،أبو عبد الرحمن الخليل بن أحمد بن عمرو بن تميم البصری (المتوفى: ۱۷۰ھ) کتاب العين،د مهدی المخزومی، د إبراهيم السامرائی، دار ومكتبة الهلال، مادہ : لقط،ج۵ ص۱۰۰ ۔ [↑](#endnote-ref-1)
4. جوہری، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، أبو نصر إسماعيل بن حماد الجوهري الفارابی (المتوفى: ۳۹۳ھ)تحقيق: أحمد عبد الغفور عطار، دار العلم للملايين – بيروت الطبعة: الرابعة ۱۴۰۷ھ – ۱۹۸۷ء، مادہ :لقط ،ج۳ ص۱۱۵۷ [↑](#endnote-ref-2)
5. ابن فارس،معجم مقاييس اللغۃ، أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، أبو الحسين (المتوفى: ۳۹۵ھـ)، عبد السلام محمد هارون، دار الفكر، ۱۳۹۹ھ – ۱۹۷۹ء،ج۵ ص۵۶۲ [↑](#endnote-ref-3)
6. یوسف(۱۲):۱۰ [↑](#endnote-ref-4)
7. القصص(۲۸):۸ [↑](#endnote-ref-5)
8. سرخسی ،شمس الدین (متوفی:۴۹۰ھ)،مبسوط ،دار الکتب العلمیہ بیروت، ج۱۰ ص۲۰۹۔ [↑](#endnote-ref-6)
9. الخرشی، محمد بن عبد اللہ بن علی الخرشی المالکی،حاشیۃ الخرشی علی مختصر سیدی خلیل،لخلیل بن اسحاق بن موسیٰ المالکی (متوفیٰ:۷۶۷ھ)، دار الکتب العلمیہ ،بیروت ،ج۷ ص۴۵۹۔ [↑](#endnote-ref-7)
10. الشربینی،شمس الدین محمد،مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج،دار الکتب العلمیہ ، بیروت،ج۳ص۵۹۸۔ [↑](#endnote-ref-8)
11. منصور بن یونس البھوتی الحنبلی،کشاف القناع عن متن الاقناع،تحقیق:محمد حسن اسماعیل الشافعی،دار الکتب العلمیہ، بیروت،ج۴ ص۲۷۵۔ [↑](#endnote-ref-9)
12. ابن حجر،أحمد بن علی بن محمد العسقلانی،الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ،دار المعرفۃ ، بیروت،ج۲ ص۱۴۰۔ [↑](#endnote-ref-10)
13. السغدی ،النتف فی الفتاوى،أبو الحسن علی بن الحسين بن محمد السُّغْدی، حنفی (المتوفى: ۴۶۱ھ)تحقیق:المحامی الدكتور صلاح الدين الناهی،دار الفرقان / مؤسسة الرسالة - عمان الأردن / بيروت لبنان،ط:دوم،۱۴۰۴ھ –۱۹۸۴ءج۲ ص۵۸۸و مابعد [↑](#endnote-ref-11)
14. سورة المائدة(۵):۳۲ [↑](#endnote-ref-12)
15. ترمذی ،محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذی، أبو عيسى (المتوفى: ۲۷۹ھ)،سنن ترمذی تحقيق وتعليق:أحمد محمد شاكرو دیگر ،شرکۃمكتبۃ ومطبعۃمصطفى البابی الحلبی، مصر، ۱۹۷۵ء،حدیث نمبر ۱۹۱۹ ،ج۴ص۳۲۲ [↑](#endnote-ref-13)
16. الحصکفی، ،محمد بن علي بن محمد الحِصْني المعروف بعلاء الدين الحصكفي الحنفي (المتوفى:۱۰۸۸ھـ)، الدر المختار شرح تنوير الأبصار وجامع البحار ،المحقق: عبد المنعم خليل إبراهيم،دار الكتب العلمیہ، بیروت، الطبعہ: الأولى، ۱۴۲۳ھ-۲۰۰۲ء،ص۳۵۳ [↑](#endnote-ref-14)
17. الکاسانی،: علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (المتوفى: ۵۸۷ھ)،بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،دار الكتب العلمیہ،الطبعہ: الثانیہ، ۱۴۰۶ھ- ۱۹۸۶ء،ج۶ ص۱۹۸ [↑](#endnote-ref-15)
18. ابن الہمام، كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام (المتوفى: ۸۶۱ھـ)، فتح القدير،دار الفكر، الطبعہ: بدون طبعة وبدون تاريخ،ج۶ ص۱۱۰ [↑](#endnote-ref-16)
19. سرخسی، مبسوط،ج۱۰ ص۲۱۰ [↑](#endnote-ref-17)
20. ابن عرفہ، محمد بن أحمد بن عرفہ الدسوقی المالكی (المتوفى: ۱۲۳۰ھـ) ،حاشیۃ الدسوقی على الشرح الكبير، دار الفكر،بیروت، بدون طبعة وبدون تاريخ ،ج۵ ص۵۳۷ [↑](#endnote-ref-18)
21. الشربینی، المرجع السابق،ج۳ ص۵۹۷ [↑](#endnote-ref-19)
22. لجنۃ العلماء،الفتاوى الهندیہ ، لجنۃ علماء برئاسۃنظام الدين البلخی،دار الفكر،بیروت،ط:دوم،۱۳۱۰ھ، ج۲ ص۲۸۶ [↑](#endnote-ref-20)
23. ایضاً۔ [↑](#endnote-ref-21)
24. الفرقان(۲۵): ۵۴ [↑](#endnote-ref-22)
25. الأحزاب(۳۳):۵ [↑](#endnote-ref-23)
26. البخاری،محمد بن اسماعیل أبو عبد اللہ ،الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله صلى الله علیہ وسلم وسننہ وأيامہ المحقق: محمد زهير بن ناصر الناصر، دار طوق النجاة،بیروت، حدیث نمبر:۴۷۸۲،ج۶ ص۱۱۶ [↑](#endnote-ref-24)
27. ابن کثیر، أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفى: ۷۷۴ھ) تفسير القرآن العظيم،تحقیق: سامی بن محمد سلام،دار طيبہ للنشر والتوزيع، ج۶ص۳۷۷ [↑](#endnote-ref-25)
28. البخاری، المرجع السابق،ج۸ص۱۶۵،حدیث:۶۸۱۸ [↑](#endnote-ref-26)
29. ایضاً،ج۸ ص۱۹۴،حدیث :۶۷۶۸ [↑](#endnote-ref-27)
30. ایضاً،ج۴ص۱۸۰،حدیث :۳۵۰۸ [↑](#endnote-ref-28)
31. الفتاوی الہندیہ،المرجع السابق ،ج۲ ص۲۸۶ [↑](#endnote-ref-29)
32. الحصکفی،المرجع السابق، ص۳۵۴ [↑](#endnote-ref-30)
33. ابن حجر،أحمد بن علی بن محمد العسقلانی،الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ،دار المعرفۃ ، بیروت،ج۲ ص۱۴۰۔ [↑](#endnote-ref-31)
34. النساء(۴): ا۴ا۔ [↑](#endnote-ref-32)